۱۲

اسلام کا
تصوّرِ معاہدہ

واقیموا الوزن
بالقسط
ولا تخسروا المیزان

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۱۲)

اسلام کا تصور معاہدہ

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلام کا تصورِ معاہدہ

تالیف:		ڈاکٹر شہزاد اقبال شام
نظرِ ثانی وراہ نمائی:	i-	جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان
	ii-	پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن (مرحوم)
	iii-	پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی
نگران مطالعہ اسلامی قانون کورس		راجہ محمد منیر رڈاکٹر منظور احمد الازہری
نگران منشورات:		ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین
ناشر:		شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔
مطبع:		ادارۂ تحقیقات اسلامی (پریس) بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
طبع:		ہفتم
سال اشاعت:		دسمبر ۲۰۰۷ء
قیمت:		

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

۱۔ تمہید ۱

۲۔ عقد کا مفہوم ۲

۳۔ عقد کی تعریف ۳

۴۔ عقد اور اتفاق ۴

۵۔ عقد کے ارکان ۵

(۱) ایجاب ۶

(۲) قبول ۷

۶۔ ایجاب و قبول کے اسلوب ۸

(۱) زبانی الفاظ کے ذریعے ۸

(۲) تحریری الفاظ کے ذریعے ۸

(۳) افعال کے ذریعے ۹

(۴) اشارے کے ذریعے ۱۰

۷۔ ایجاب و قبول کی شرطیں ۱۰

(۱) توافق ۱۰

(۲) اتصال ۱۰

(۳) بقاء ۱۱

۸۔ (۳،۴) فریقین (عاقد یا معاہد) ۱۱

(۱) معاہد کی اہلیت اور اہلیت کی اقسام ۱۲

(۲) اہلیت کے ادوار ۱۲

ا۔ دور جنین ۱۲

ب۔ عہد طفولیت ۱۲

ج۔ دور تمیز ۱۳

د۔ دور بلوغ ۱۳

و۔ دور رشد ۱۳

۹۔ معقود علیہ، صلہ اور معقود علیہ کی شرائط ۱۳

ا۔ ثابت الوجود ہونا ۱۴

ب۔ شرعی ہونا ۱۴

ج۔ قابل انتقال ہونا ۱۴

د۔ معین اور معروف ہونا ۱۵

۱۰۔ شرائط معاہدہ ۱۵

۱۱۔ عقد کے بارے میں اسلام کا اخلاقی تصور ۱۶

۱۲۔ ایفائے عہد کے دو اہم پہلو ۱۷

(۱) ایک دوسرے سے ارتباط ۱۷

(۲) بدعہدی اور نفاق کا تعلق ۱۹

۱۳۔ معاشرے پر بدعہدی کے اثرات ۲۰

۱۴۔ عقد لازم ۲۲

۱۵۔ خاتمہ کلام اور مزید مطالعے کے لئے ۲۳

۱۶۔ حواشی و حوالہ جات ۲۳

۱۷۔ مصادر و مراجع ۲۴

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا' بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو' سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی' امام رازی' امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی' یعنی فلسفہ' منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک' آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی' دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں' لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں' کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا

میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل' ایک فکری تبدیلی' ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی انقلاب سے عبارت ہے ۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی' دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی ماخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں' جن کو رائج الوقت قانونی' دستوری' اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو' جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اوراسلامی تعلیم کے مراکزمیں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً" ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کاہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ملک میں نفاذاسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشر و اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصرمدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء' طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس

اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کر دیں گے۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

دنیا کی تاریخ کے کسی بھی انسانی معاشرہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کی تکوین مختلف النوع انسانی تعلقات اور گوناگوں روابط سے عبارت ہے ۔ جس معاشرے میں انسانی تعلقات پائیدار اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہوں اس معاشرے کی تہذیبی شناخت دوسرے معاشروں کے مقابلہ میں بڑی نمایاں اور ممتاز ہوتی ہے ۔ انسانی تعلقات کی تشکیل میں ترتیب و توازن ہی وہ بنیادی عوامل ہیں جن کی مدد سے انسانوں کے روابط میں دوام اور استحکام پیدا ہوتا ہے ۔ مزید غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی تعلقات کا استحکام ' ان میں ترتیب و توازن ' ان کے دوام اور تہذیبی ارتقاء کی روح وہ اصول عدل و اعتدال ہیں جن کی مدد سے یہ سب کچھ ممکن ہے ۔ یہ اصول عدل و اعتدال بنیادی طور پر انسانوں کے مابین پائے جانے والے وہ قول و قرار ہیں جن کی پابندی ہی سے انسانی تعلقات وجود میں آتے ہیں اور انہی کی پاسداری سے کسی معاشرے کی تہذیبی بلندی ممکن ہوتی ہے ۔ انسانوں کے باہمی قول و قرار کو قانونی زبان میں کہیں معاہدہ کا نام دیا جاتا ہے' کہیں اسے وعدہ کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے ' کہیں اس کے لیے عقد کی اصطلاح وضع ہوئی اور کہیں اس کے لئے عہد و پیمان کی ترکیب استعمال ہوئی ۔

زیر نظر یونٹ میں انہی تصورات کا تعارف پیش نظر ہے ۔

یونٹ کی ابتدائی سطور میں مختصراً لفظ معاہدہ اور عقد پر لغوی بحث کی گئی ہے ۔ عقد اور اقرار کا فرق واضح کرنے کے بعد عقد کے ارکان و عناصر کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ان ارکان میں سے ایجاب اور قبول کے مختلف اسالیب بیان کرنے کے بعد ان کی شرائط کا مختصر تذکرہ بھی کیا گیا ہے ۔ معاہدہ کے ہر دو فریقوں کی اہلیت بھی عقد کی بحث کا ایک اہم موضوع ہے جس کی اہمیت کے پیش نظر اہلیت اور اس کے ادوار کا ذکر بھی کیا گیا ہے ۔ معقود علیہ اور اس کی شرائط بیان کرنے کے بعد یونٹ کے دوسرے حصہ میں عقد کے بارہ میں اسلام کی تعلیم کے اخلاقی پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے' جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ معاہدہ کے خالص قانونی تقاضوں کے متوازی اسلام کے اخلاقی تصورات اور دوسرے پہلو بھی موجود ہوتے ہیں ۔ ان دونوں پہلوؤں کا آپس میں گہرا ربط ہے اور یہ ساری کڑیاں مل کر ہی شریعت اسلامی کہلاتی ہیں ۔

فقہ اسلامی کے موضوعات پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ عبادات کے فوراً بعد معاملات کا آغاز ہوتا ہے۔ معاملات کی روح فقہ اسلامی کا نظریہ عقد ہے۔ انسانی تعلقات کے کسی بھی پہلو پر ایک طائرانہ نظر دوڑانے سے یہ رائے قائم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ تمام معاملات کی اساس وہ معاہدہ ہے جو انسانی تعلقات کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس لیے شریعت اسلامی کا کوئی بھی طالب علم اگر اس کے اصول معاہدہ پر عبور حاصل کر لے تو باقی معاملات کے بارہ میں شریعت کا حکم اور موقف جاننا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مطالعہ اسلامی قانون کورس میں اس موضوع کو بھی جگہ دی گئی ہے تاکہ قانون دان حضرات اس بارہ میں شریعت اسلامی کا نقطہ نظر جان سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ سائنسی علوم میں بے پناہ ترقی کے باعث کرہ ارض کے تمام انسان ایک دوسرے سے از حد قریب ہو چکے ہیں اور یہ دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ یہ دعوی انسانوں میں روابط کی سرعت اور سہولت کے اعتبار سے تو بڑی حد تک درست ہے لیکن انسان کے انسان کے ساتھ قلبی اور روحانی تعلق کی نسبت سے دیکھا جائے تو تصویر کا بالکل الٹ رخ سامنے آتا ہے۔ ان دونوں تصورات کے بین بین ایک متفق علیہ رائے قائم کرنا حکماء اجتماع اور فلاسفہ سیاست کے ذمہ ہے لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ سائنسی علوم میں بے پناہ وسعتیں اور بڑی بڑی تبدیلیاں شریعت اسلامیہ کے قانون معاہدہ کے کسی جزئیہ میں بھی اب تک کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکیں۔ اس لیے اسلام کے قانون معاہدہ کو سمجھنے کے لیے ہمیں لازماً فقہاء کی تعمیر کردہ فقہی عمارت ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اہل علم حضرات کو یہ تعارف پسند آئے گا۔

اکیڈمی امید کرتی ہے کہ اس یونٹ کے قارئین نہ صرف کورس کے بارہ میں بلکہ ہر یونٹ کے بارہ میں الگ الگ اپنی رائے دیں گے تاکہ ہم اپنے ان پروگراموں کو مزید بہتر بنا سکیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۱۰ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
۱۶ جون ۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

انسان کا انسان کے ساتھ تعلق دو طرح ہو سکتا ہے۔ ایک تعلق کو ہم اجباری کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ تعلق انسان کے ارادے و اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ تعلق کی اس نوعیت میں انسان کے ساتھ کسی دوسرے انسان کا جو رشتہ قائم ہوتا ہے وہ دونوں کی منشاء و مرضی کا نتیجہ نہیں بلکہ قانون قدرت کا مظہر ہوتا ہے۔ ایک شخص کسی خاص شخص ہی کا بیٹا ہے' لہٰذا اس پر کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ حالانکہ باپ بیٹے کے اس رشتے میں دونوں کی رضامندی شامل نہیں ہے۔ باپ کا فرض ہے کہ وہ بیٹے کی تمام ضروریات پوری کرے۔ بہن بھائی کا رشتہ بھی کچھ حقوق و فرائض سے مزین ہوتا ہے۔ علی ہذاالقیاس جملہ خونی رشتے غیر اختیاری تعلق کی مثالیں ہیں۔

غیر اختیاری تعلق کی ایک اور شکل فرد اور ریاست کے تعلق کی ہے۔ ہر فرد پیدا ہوتے ہی کسی نہ کسی ریاست کا رکن قرار پاتا ہے۔ لہٰذا اس ریاست کے تمام قوانین اس پر لاگو ہوتے ہیں۔ چاہے وہ ان کو پسند کرے یا ناپسند کرے۔ اسی تعلق کی وجہ سے وہ ٹیکس ادا کرتا ہے۔ ٹریفک قوانین کی پابندی اس پر واجب ہوتی ہے۔ ملکی قانون توڑنے پر عدالتوں میں طلب کیا جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ تمام پسندیدہ و ناپسندیدہ ملکی قوانین پر پابندی سے عمل کرنا اس پر واجب ہوتا ہے۔ یہ بھی اس اجباری تعلق کی مثال ہے۔

دوسری نوعیت کا تعلق انسان کے اپنے ارادے و اختیار کے نتیجے میں قائم ہوتا ہے۔ انسان چاہے تو یہ تعلق قائم کرے۔ پسند کرے تو ایسا کرنے سے رک جائے لیکن ایک مرتبہ یہ تعلق قائم ہونے پر اس کے ذمہ کچھ فرائض ثابت ہو جاتے ہیں جو اس کو مجبور کرتے ہیں کہ ان کی پاس داری کرے۔ چاہے وہ حالات تبدیل ہو جائیں جو تعلق کے قائم ہوتے وقت اس کے پیش نظر تھے۔ اس تعلق کی پہلی مثال شوہر اور بیوی کے رشتے کی ہے جو دونوں کی باہمی رضامندی سے قائم ہوتا ہے' اس اختیاری رشتے کے قائم ہونے پر دونوں کی زندگی پر کئی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایک نئی نسل وجود میں آتی ہے۔ ایک کے حقوق دوسرے کے فرائض اور دوسرے کے حقوق فریق اول کے فرائض قرار پاتے ہیں۔

عورت اور مرد کا یہ تعلق بذریعہ نکاح قائم ہوتا ہے جس کے لئے ہم اردو زبان میں "عقد" کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ اگرچہ نکاح کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تاہم لفظ "عقد" عربی میں محض نکاح

کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس کے معانی میں لفظ معاہدہ (Contract) کا مکمل مفہوم موجود ہے۔

اختیاری تعلق میاں بیوی کے علاوہ دوسرے انسانوں میں بھی کئی معاملات اور لین دین کے تعین کے سلسلے میں ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک شکل اجرت پر کام کرنے والے مزدور اور مستاجر کی ہو سکتی ہے۔ ایک تعلق کی مثال کارخانہ دار اور تاجر کی ہوسکتی ہے جس میں ایک فریق کچھ شرائط کے تحت دوسرے کو اپنے کارخانے کی مصنوعات فراہم کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تعلق کی یہ شکل' مکان' دکان یا کوئی اور عمارت کرایے پر دینے کی شکل میں ہو۔ ممکن ہے ۔ ایک شخص سرمایہ لگائے دوسرا اس سرمائے سے کاروبار تجارت وغیرہ کرے اور نفع کی تقسیم میں دونوں کسی نسبت سے شریک ہوں۔ یہ بھی تعلق ہی کی ایک صورت ہے۔ حکومت اور ملازم میں تعلق بھی اسی کی ایک مثال ہے۔

فرد کے ساتھ اس تعلق یا فرد کے ریاست کے ساتھ اس رشتے کو کسی تحریری یا غیر تحریری قول و قرار کے ذریعے قائم کیا جا سکتا ہے۔ عرف میں یہ تحریری یا غیر تحریری قول و قرار معاہدہ (Contract) کہلاتا ہے۔

عقد کا مفہوم

لفظ "معاہدہ" اگرچہ عربی الاصل ہے اور اس کے مفاہیم میں وہ مفہوم بھی شامل ہے جو "عقد" میں ملتا ہے لیکن کتب فقہ اسلام میں معاہدہ کے لئے "العقد" ہی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو زیادہ جامع اور مکمل ہے(۱)۔ اردو زبان میں اگر ہم اس لفظ کے لئے لفظ "معاہدہ" استعمال کریں تو اس میں قطعاً" کوئی حرج نہیں کیونکہ کثرت استعمال کے باعث یہ لفظ اردو میں بالکل انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن کے لئے عربی میں عقد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ البتہ قرآن و سنت کے عربی میں ہونے کے باعث چونکہ فقہ اسلامی کا لغوی محور ہمیشہ عربی ہی رہا ہے' اس لئے جب بھی علوم اسلامیہ کی فنی اصطلاحات کی بحث کی جاتی ہے تو ہمیشہ عربی زبان ہی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ چاہے یہ بحث دنیا کی کسی بھی زبان میں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے قانون معاہدہ پر گفتگو کرنے کے لئے لفظ عقد کی لغوی تحقیق لازمی ہے۔

عربی زبان میں عقد گرہ یا گانٹھ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "عقد الحبل" سے مراد رسی میں گرہ لگانا ہے۔ اگر کسی شخص کی زبان میں لکنت ہو اور وہ رک رک کر بولے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کی گفتگو میں تسلسل نہیں ہے بلکہ رکاوٹیں ہیں۔ اس کیفیت کو عرب باشندے "عقد اللسان" کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ لفظ عقیدہ بھی اسی اصل سے نکلا ہے جس کے معنی اپنی کچھ ذہنی کیفیات کو گرہ لگا کر پکا کر دینا ہے۔

گرہ اس وقت لگائی جاتی ہے جب کسی گٹھڑی وغیرہ میں کچھ اشیاء جمع کر کے ان کو باہم متحد کرنا پیش نظر ہو۔ کسی شے کا دوسری کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لئے دونوں کو رسی سے ملا کر اس میں گرہ لگا دی جاتی ہے۔ یہی

کیفیت مجازاً عورت اور مرد کے نکاح کے ذریعے تعلق قائم ہونے پر عقد کا لفظ استعمال کر کے بیان کی جاتی ہے۔ گویا مرد اور عورت کو نکاح کی رسی میں گرہ لگا کر باہم متحد کر دیا گیا ہے۔

دوسرے معاشرتی تعلقات کے لئے بھی یہی صورت حال ہے۔ دو یا دو سے زائد افراد جب معاملہ کرتے ہوئے کئی مراحل سے گزرتے ہیں۔ کچھ شرائط طے کی جاتی ہیں۔ ایک کے حقوق کا دوسرے کے فرائض سے تعلق ہوتا ہے۔ دوسرے کے حقوق پہلے کے فرائض کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ ان افراد کی ذمہ داریوں کا حجم مقرر کیا جاتا ہے۔ اس عمل کو باہم مربوط کر کے تمام فریقوں کی ذمہ داریوں اور ان کے حقوق و فرائض کو منضبط کرنے کے بعد جب ایک خاص شکل دی جائے تو گویا گرہ لگا کر انہیں باندھ دیا گیا۔ یہی عقد ہے۔ چاہے اسے معاہدے کا نام دیجئے' چاہے اسے قول و قرار کہئے' اور چاہے اس کے لئے کوئی نیا نام وضع کر لیجئے۔

اردو زبان میں عقد کے لئے معاہدہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن لفظ عقد بھی غیر معروف نہیں ہے۔ اس لیے آئندہ سطور میں موقع کی مناسبت سے ہم معاہدہ کے ساتھ عقد کا لفظ بھی استعمال کریں گے کیونکہ باقی اصطلاعات کا تعلق بھی اسی لفظ کے مشتقات سے ہے۔

عقد کی تعریف

کتب فقہ اسلامی میں عقد کی کئی تعریفیں ملتی ہیں۔ ان میں سے تین تعریفیں قابل ذکر ہیں۔ یہ تینوں اپنے اپنے عہد کی ترجمانی کرتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تعریف فقیہ کی ہے۔ یہ تعریف تاریخی ارتقاء کے بعد اس قدر نکھر کر سامنے آتی ہے۔ پہلی تعریف یوں ہے۔

تعلق کلام احد العاقدین بالاخر شرعا علی وجه یظهر اثره فی المحل (۲)

(معاہدے کے فریقین میں سے) ایک فریق کے کلام کا دوسرے (فریق) کے کلام سے ایسا شرعی تعلق جس کا اثر محل (Subject matter) میں ظاہر ہو' عقد کہلاتا ہے۔

عقد کے بارے میں فقہاء کی جملہ تعریفیں کم و بیش اسی تعریف کے قریب تر ہیں۔ یہ تعریف البتہ ایسی ہے جسے قبول عام حاصل ہوا ہے۔

دوسری تعریف علماء کی ایک جماعت نے کی ہے۔ یہ تعریف عثمانی خلیفہ سلطان عبدالعزیز کی طرف سے مامور فقہاء اور ماہرین قانون پر مشتمل جماعت کی مرتب کردہ ہے جو مجلّہ الاحکام العدلیہ میں ملتی ہے۔ مجلّہ کی دفعہ ۱۰۳ میں عقد کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"دو فریقوں کا اپنے آپ کو پابند کرنا اور ذمہ داری لینا یعنی ایجاب کے ساتھ قبول سے ربط قائم کرنا" (۳)

سلطنت عثمانیہ کی عدالتیں ۱۹۱۸ء تک اسی تعریف کی روشنی میں فیصلے کرتی رہیں۔ یہ تعریف کسی ایک ماہر کی بجائے ماہرین کی ایک جماعت نے مل جل کر وضع کی ہے' اس لیے یہ زیادہ جامع اور ہمہ پہلو ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی حد تک جدید قانونی تقاضے بھی پورا کرتی ہے۔

عقد اور اتفاق یا اقرار

دور حاضر کے ایک قانون دان ڈاکٹر عبدالرزاق احمد سنہوری کی وضع کردہ تعریف بھی قابل غور ہے۔ عقد کے ضمن میں انہوں نے اتفاق (Agreement) اور عقد (Contract) کے درمیان جدید دور کے تصورات کو یکجا کر کے باقی بحث کو سمیٹا ہے۔ ڈاکٹر سنہوری اتفاق (Agreement) کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

توافق ارادتین او اکثر علی انشاء التزام ونقله او تعدیله اوانهانه (۴)

عقد دو یا دو سے زائد (اشخاص کے باہم متفق ہونے کا نام ہے جو کسی ذمہ داری (Liability) کو وجود میں لائیں یا منتقل (Transfer) کریں' یا اس میں ترمیم کریں' یا ختم کریں۔

مثلاً بائع اور مشتری کسی چیز کی خرید و فروخت طے کریں تو ان کا یہ عمل ذمہ داریوں کا تخلیق کرنا ہے۔ اسی طرح ایک شخص کسی مقروض کے قرض ادا کرنے کا ذمہ لے لے تو یہ ذمہ داری کا انتقال ہے۔ مقروض قرض خواہ سے قرض ادا کرنے کے لئے طے شدہ مدت سے بڑھ کر مزید مہلت مانگے اور فریقین اس پر راضی ہو جائیں تو یہ اس ذمہ داری کی علی حالہ بقاء ہے۔ کوئی شخص اپنے مقروض کا قرض معاف کر دے تو یہ اس ذمہ داری کا خاتمہ ہے۔ یہ سب اتفاق یا اقرار (Agreement) کی صورتیں ہیں۔

ڈاکٹر سنہوری نے عقد کی تعریف یوں کی ہے۔

فهو توافق ارادتین هی انشاء التزام او علی نقله(۵)

یہ (عقد) دو (اشخاص کے) ارادوں میں توافق کا نام ہے جو ذمہ داری تخلیق کرتا ہے یا اس کو منتقل کرتا ہے۔

ان دونوں تصورات میں کیا فرق ہے؟ آئندہ سطور میں اسی پر گفتگو کی جائے گی۔

اتفاق کی تعریف سے ہمیں چار عناصر (Ingredients) ملتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ذمہ داری کی تخلیق (Creation of Liability) جیسے خرید و فروخت میں بائع اور مشتری کی ذمہ داریاں۔

۲۔ پہلے سے کسی تخلیق شدہ ذمہ داری کا انتقال (Transfer of Liability) جیسے کوئی شخص مقروض کے ذمہ واجب الادا قرضوں کو خود ادا کرنے کے لئے رضامندی کا اظہار کرے۔

۳۔ پہلے سے کسی تخلیق شدہ ذمہ داری کسی شرط یا بغیر شرط کے باقی رکھنا جیسے طے شدہ مدت پر کسی تجارتی مال کی ترسیل کو موخر کرنا یا جلد فراہم کر دینا۔

۴۔ پہلے سے تخلیق شدہ ذمہ داری کو کالعدم قرار دینا جیسے کوئی شخص اپنے مقروض کے ذمہ واجب الادا قرض معاف کر دے۔

لیکن عقد کی تعریف سے ہمیں صرف دو عنصر حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ کسی ذمہ داری کی تخلیق جیسے مثال اول میں بیان ہے۔

۲۔ اس تخلیق شدہ ذمہ داری کا انتقال جو مثال دوم میں مذکور ہے۔

چنانچہ اس تعریف کی روشنی میں عقد صرف ذمہ داری کی تخلیق یا تخلیق شدہ ذمہ داری کا انتقال ہی ہو سکتا ہے۔ رہا تخلیق شدہ ذمہ داری میں مزید شرائط پیدا کرنا یا اس کو ختم کرنا ہو تو یہ عقد نہیں ہے۔ اتفاق ایک وسیع اور عمومی تصور ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر اتفاق عقد بھی ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر عقد اتفاق ہو کیونکہ عقد کے جملہ عناصر اتفاق میں موجود ہیں۔

عقد کے ارکان

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ فقہ میں عقد سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی تکوین کن کن اشیاء سے ہوتی ہے؟ وہ کون سی اشیاء ہیں جن کو باہم مربوط کرنے کے لئے گرہ لگانا پڑتی ہے؟

ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ عقد کا صرف ایک رکن ہے۔ جب بھی اس رکن کا وجود پایا جائے اور دوسری چند شرائط پوری ہو جائیں' عقد کا وجود بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ رائے حنفی مکتب فکر کی ہے۔ احناف کے بقول عقد کا یہ واحد رکن اصطلاح میں "صیغہ" کہلاتا ہے۔ اس کے دو اجزاء ہیں۔ پہلا جزو ایجاب (Offer) کہلاتا ہے اور دوسرے کو قبول (Acceptance) کہتے ہیں۔ اس بحث کی تفصیل نکاح و طلاق کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہے۔ کچھ دوسرے نکات آئندہ سطور میں زیر بحث لائے جائیں گے۔

عقد کے بارے میں دوسرا تصور جمہور فقہاء کا ہے جن کی رائے میں عقد کے تین ارکان ہیں۔ پہلا رکن صیغہ ہے۔ دوسرا رکن عاقدان (دونوں فریق) پر مشتمل ہے۔ عاقدان سے مراد وہ دو اشخاص ہیں جن کے درمیان عقد منعقد ہوتا ہے۔ تیسرے رکن کو معقود علیہ (Subject Matter) کہتے ہیں۔ یہ وہ شے ہے جس کی خرید و فروخت یا جس کا کسی دوسری شکل میں لین دین ہو رہا ہو۔

مذکورہ بالا دونوں تصورات قدیم سوچ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ بعد میں آنے والے فقہاء نے ان دونوں کو قدرے وسیع کر دیا ہے۔ علمائے احناف نے عقد کے ایک رکن صیغہ کے دونوں اجزاء کو دو مستقل ارکان قرار دیا۔

ان کے خیال میں عقد کے دو ارکان ہیں۔ ایک ایجاب اور دوسرا قبول۔ کچھ بھی ہو یہ رائے بھی علمائے احناف ہی کی ہے جو عقد کے بارے میں ان کے اپنے بنیادی تصور کی آسان زبان میں تشریح و تسہیل ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اسی طرح عقد کے بارے میں جمہور کے مذکورہ بالا بنیادی تصور کو بعد کے فقہاء نے وسیع کر دیا۔ انہوں نے ایجاب اور قبول کو دو الگ الگ ارکان قرار دیا۔ عاقدان کو انہوں نے ایک کی بجائے دو مستقل ارکان میں منقسم کر دیا۔ مثلاً خرید و فروخت کے معاہدات میں ایک شخص بائع (بیچنے والا) اور دوسرا مشتری (خریدنے والا) کہلاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ مستقل ارکان ہیں۔ اسی طرح جس شے پر معاملہ کیا جا رہا ہو وہ بھی رکن قرار پائی۔ اسے مبیع (Subject Matter) کہا جاتا ہے۔ مبیع کے بدلے میں دی جانے والی اجرت' خدمت یا کسی بھی شکل میں حاصل ہونے والا معاوضہ (Consideration) بھی بعد میں آنے والوں نے رکن قرار دیا۔ لہٰذا اب عقد کے چھ ارکان قرار پائے۔

۱۔ ایجاب (Offer)　　۲۔ قبول (Acceptance)

۳۔ فریق اول (Promisor)　　۴۔ فریق ثانی (Promisee)

۵۔ مبیع یا معقود علیہ (Object)　　۶۔ معاوضہ (Consideration)

یہ جمہور کا تصور عقد ہے۔ عہد جدید میں فقہاء کے نزدیک یہی چھ ارکان عقد ہیں جس کا مختصر تعارف آئندہ سطور میں پیش نظر ہے۔

۱۔ ایجاب

ایجاب اور قبول کے الفاظ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں نکاح کے حوالے سے ضرور سنتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عام آدمی انہیں محض نکاح سے متعلق اصطلاح سمجھتا ہے۔ حالانکہ ان کے انگریزی مترادفات دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ ہر معاہدے کا لازمہ ہوتے ہیں۔

ایجاب کسی بھی فریق سے صادر ہو سکتا ہے۔ شے کا مالک چیز پیش کر کے' یا شے حاصل کرنے کا خواہش مند پیشکش کر کے ایجاب مکمل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں اپنی گاڑی مبلغ ایک لاکھ روپے کے عوض فروخت کرتا ہوں' تو یہ ایجاب (Offer) ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں آپ کا مکان مبلغ دس لاکھ روپے میں خریدتا ہوں' تو یہ بھی ایجاب ہی کی ایک شکل ہے۔

مجلہ الاحکام العدلیہ میں ایجاب کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

اول کلام یصدر من احد العاقدین لاجل انشا التصرف وبه یوجب و یثبت التصرف (۶)

فریقین میں سے کسی ایک کا پہلا کلام جو تصرف کا اختیار پیدا کرنے کے لئے صادر ہو اور اسی کلام کی بناء پر تصرف کا حق پیدا ہوتا ہے اور ثابت ہوتا ہے۔

ایجاب کسی بھی عقد کا لازمی اور بنیادی رکن ہے اس کے بغیر لین دین اور معاہدات شرعاً لاحاصل ہیں۔ ایجاب کے بارے میں فقہاء میں مختلف نقطہ نظر پائے جاتے ہیں جن کا اختصار کے ساتھ ذکر کرنا ضروری ہے۔

حنفی مکتب فکر کے فقہاء کا خیال ہے کہ ایجاب دو طرح سے ممکن ہے۔ اولاً الفاظ کے ذریعے سے جس کی مزید دو شکلیں ہیں۔ پہلی شکل زبانی الفاظ ہیں اور دوسری تحریر کی صورت میں، جیسے بذریعہ خط و کتابت، ٹیلیکس، فیکس وغیرہ۔ ثانیاً ایجاب کی وہ قسم ہے جو افعال کے ذریعے واقع ہو۔ جیسے موجودہ دور میں، یہ ایجاب سیلف سروس کی صورت میں خریداری کے مراکز میں ہوتا ہے۔ دکان کھلتے ہی دکان دار کی طرف سے ایجاب شروع ہو جاتا ہے اور لوگ جب ان دکانوں میں جا کر اپنی مرضی کی اشیاء ٹوکری میں اکٹھی کرتے ہیں تو یہ قبول ہی کی ایک قسم ہے۔ کوئی شخص کسی دکان کے ڈیپ فریزر میں سے اپنی پسند کی آئس کریم نکال کر کھانا شروع کر دے تو اس کا یہ فعل قبول پر دلالت کرتا ہے۔ کم و بیش یہی رائے مالکی فقہاء کی ہے۔

شافعی فقہاء اس رائے سے ذرا مختلف خیال کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ایجاب الفاظ ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ چاہے زبانی ہوں یا تحریری۔ فعل کے ذریعے صرف گونگے کو ایجاب کی اجازت ہے۔ یہی رائے امام غزالی کی ہے لیکن روزمرہ کی عام خرید و فروخت میں وہ اشاروں کے ذریعے ایجاب کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ آج منڈیوں، بازاروں میں لین دین کا رواج ہے۔

۲۔ قبول (Acceptance)

ایجاب کی طرح قبول بھی ہر دو جانب سے ممکن ہے۔ شے کا خریدنے والا بیچنے والے کی پیشکش قبول کر سکتا ہے۔ اسی طرح خریدار کی پیشکش شے کا مالک قبول کر سکتا ہے۔ یہ دونوں قبول ہی کی شکلیں ہیں۔

ایجاب کی طرح قبول بھی انسان کی داخلی کیفیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ صیغہ (ایجاب و قبول) دل کی آواز ہو اور اس کا اظہار زبان سے ہو۔ ادا ہونے والے الفاظ باہم ہم آہنگ ہوں۔ اسے "رضا" (رضامندی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رضا کا اظہار چار طریقوں سے ممکن ہے۔ یہ چاروں طریقے ایجاب و قبول کے لیے مسلمہ ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں انہیں ایجاب و قبول کے اسالیب (Modes) کہا گیا ہے۔ ان چاروں طریقہ ہائے ابلاغ (Communication) کے لئے ضروری شرط رضامندی ہے۔ اس تصور کی بنیاد قرآن کریم میں یوں ملتی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (نساء، ۲۹:۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے۔

ایجاب قبول کے اسلوب

ایجاب و قبول کے چار اسلوب ہیں جن کا تعارف اس طرح ہے

(۱) زبانی الفاظ کے ذریعے

کسی بھی معاہدے کی تخلیق کے لئے یہ پہلی اور عام فہم بنیاد ہے جو اولاً قول و قرار کے ذریعے انجام پا سکتی ہے۔ بعد میں اگر ضروری ہو تو الفاظ تحریری شکل بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

الفاظ کے ذریعے ایجاب و قبول کے اظہار کے بارے میں فقہاء میں کوئی اختلاف نہیں۔ تمام مکاتب فکر کی یہی رائے ہے کہ معاہدے کے لئے زبانی قول و قرار ہی وہ اولین بنیاد ہے جو آگے چل کر تحریر کی صورت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ الفاظ کے استعمال کے لئے بھی کچھ قواعد ہوں جو عقد کی تکوین ظاہر کریں۔ تمام فقہاء اس پر بھی متفق ہیں کہ ایجاب و قبول کے لئے صیغہ ماضی کا استعمال سب سے بہترین اسلوب ہے۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے اپنی گاڑی تین لاکھ روپے کے عوض فلاں شخص کو بیچی' دے دی یا اس کے حوالے کر دی تو یہ عقد درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نکاح کی مجلس میں نکاح خواں سے نکاح کے خواہش مند مرد کے لئے یہ جملہ سنتے ہیں کہ آپ نے فلاں کی لڑکی فلاں بعوض مہر اتنے قبول کی؟ اس کے جواب میں وہ شخص یہی جواب دیتا ہے میں نے "قبول کی"۔

فعل حال کے بارے میں بھی فقہاء کی رائے یہی ہے کہ اگر کوئی شخص یوں پیشکش کرے کہ میں اپنا مکان دس لاکھ روپے کے عوض بیچتا ہوں تو یہ درست پیشکش ہے۔ اس کی قبولیت فعل حال میں ممکن ہے۔

فعل مستقبل میں ایجاب و قبول کا صدور البتہ عقد کے لئے درست نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں آپ کا مکان بعوض بیس لاکھ روپے لوں گا تو معاہدہ کے لئے اس طرح ایجاب و قبول نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ صرف ایک وعدہ ہے جو مستقبل کے ساتھ معلق ہے۔

(۲) تحریری الفاظ کے ذریعے

تحریری الفاظ کے ذریعے بھی ایجاب و قبول کے بنیادی لوازم وہی ہیں جو زبانی الفاظ کے ذریعے ضروری ہیں۔ تحریری الفاظ میں صیغہ ماضی یا حال کا استعمال ضروری ہے' مستقبل کے صیغہ میں معاہدہ ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح رضامندی (Consent) بھی تحریری الفاظ میں ایک مخفی عنصر ہے جس کے بغیر معاہدہ درست نہیں ہوتا۔

احناف' مالکی اور بعض شافعی فقہاء کی رائے میں تحریری عقد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ فریقین مجلس

عقد میں موجود بھی ہوں۔ رضامندی کے اظہار کے لئے الفاظ کا تحریر کرنا یا فریقین کی حاضری ضروری نہیں ہے۔ رضامندی قلبی کیفیت ہے جس کا عکس الفاظ کی صورت میں سامنے آ سکتا ہے لیکن رضامندی خود سامنے نہیں آ سکتی۔

امام شافعی کے نزدیک تحریری معاہدہ صرف گونگے کے لئے جائز ہے۔ رہے بولنے والے پر قدرت رکھنے والے اشخاص، تو ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بذریعہ تحریر معاہدہ کریں۔ لیکن امام شافعی کی اس رائے سے یہ سمجھ لینا درست نہیں ہے کہ تمام تحریری معاہدے غلط ہیں۔ ان کا صرف یہ کہنا ہے کہ معاہدے کی تخلیق اولاً زبانی الفاظ کے ذریعے ہو، بذریعہ تحریر نہ ہو۔ تخلیق کے بعد اس باہمی رضامندی کو یقیناً تحریری شکل میں لایا جانا بعض حالات میں تو اشد ضروری ہوتا ہے جو جائز ہے۔

(۳) افعال کے ذریعے

معاہدے کے انعقاد کے لئے ایجاب و قبول کی تیسری صورت فعل کے ذریعے (By Conduct) رضامندی کا اظہار ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عقد اصل میں باہمی رضامندی کی آخری شکل ہے۔ یہ حالات پر منحصر ہے کہ اس کا اظہار کن صورتوں کے ذریعے ہو۔ رضامندی کے اظہار کی ایک صورت زبان کی بجائے جسمانی اعضاء کی جنبش بھی ہو سکتی ہے۔ مجلّہ الاحکام العدلیہ میں ایسے عقد کی تعریف اور تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

> "چونکہ ایجاب و قبول سے مقصود یہ ہے کہ بیچنے اور خریدنے والے کی رضامندی ظاہر ہو۔ اس لیے بالفعل مبادلہ سے، جو دونوں کے راضی ہونے کی دلیل ہے، بیع منعقد ہو جائے گی۔ ایسی بیع کو بیع تعاطی (لین دین) کہا جاتا ہے"(۷)۔

مثلاً ایک خریدار نے نانبائی کو کچھ رقم دی، نانبائی نے اسے چند روٹیاں دے دیں۔ دونوں میں سے کسی نے لفظاً" ایجاب کیا اور نہ قبول۔ یا ایک خریدار دکان پر آیا کچھ رقم دکاندار کے حوالے کی اور کوئی چیز اٹھا کر چلا گیا۔ دکاندار نے کچھ نہ کہا (دفعہ ۱۸۵، مجلّہ) چھوٹی موٹی خریداری کے لئے ہمارے ماحول میں اس طرح کی خرید و فروخت عموماً" ہر دور میں رائج رہتی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اس طرح کے عقد کے لئے تین شرائط ہیں۔

اولاً یہ کہ دونوں فریق محل عقد (Subject Matter) اور معاوضہ (Consideration) ایک دوسرے کے حوالے کر دیں۔ اگر ایک طرف سے ایسا ہو جائے اور دوسری طرف سے نہ ہو تو یہ معاہدہ مکمل نہیں ہے۔ لہٰذا یک طرفہ طور پر رضامندی سے معاہدہ وجود میں نہیں آتا۔

ثانیاً" یہ کہ لین دین میں عام طور پر دونوں طرف سے رضامندی کا اظہار لازمی ہے۔ اس لیے قرائن سے عدم رضا کا پتہ چل جائے تو یہ معاہدہ نہ ہو گا۔

ثالثاً" یہ کہ محل عقد معمولی قیمت کا ہو۔ معمولی قیمت کی ترکیب اگرچہ مبہم اور غیر واضح ہے۔ ممکن ہے کسی بڑے شاپنگ سینٹر، جس میں سیلف سروس کا نظام ہو، بیش قیمت اشیاء بھی اس طریقہ سے خریدی جاتی ہوں اس لیے اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ دکان میں باقی اشیاء کیسی ہیں۔ غالباً" یہ شرط عائد کرتے وقت فقہاء کے پیش نظر یہی رہا ہو گا کہ ایسے حالات میں معاملہ عدالتی عمل کے ذریعے طے کرنے کے بجائے عرف کے ذریعہ طے کر لیا جائے گا۔

(۴) اشارے کے ذریعے

جمہور فقہاء کا، جن میں احناف اور شافعی فقہاء بھی شامل ہیں، یہ خیال ہے کہ اشاروں کے ذریعے معاہدے کا انعقاد نہیں ہوتا۔ یہ صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جو بولنے سے معذور ہو۔ بولنے پر قدرت رکھنے والے آدمی کا اس طرح معاہدہ کرنا درست نہیں۔ لیکن مالکی مکتب فکر کا خیال ہے کہ معاہدے کی روح رضامندی ہے جس کا اظہار اشارے کے ذریعے ممکن ہے۔ لہٰذا اشاروں کے ذریعے، نہ صرف گونگے کے لئے بلکہ باقی افراد کے لئے بھی معاہدہ کرنا جائز ہے۔

ایجاب و قبول کی شرطیں

پہلے بھی کسی باب میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ رکن کی طرح شرط پر بھی شے کا انحصار ہوتا ہے۔ لیکن رکن کے برعکس شرط شے کی ماہیت میں ہونے کی بجائے اس کے خارج میں ہوتی ہے۔ اگر شرط کو ہٹا دیا جائے تو شے کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے۔ جیسے وضو خود نماز میں شامل نہیں ہے لیکن نماز کے لئے شرط ہے۔ اس کے بغیر نماز درست نہیں۔ اسی طرح ایجاب و قبول کی بھی کچھ شرطیں ہیں۔ یہ شرطیں تین ہیں جن کا مختصر تعارف یہ ہے۔

(۱) توافق

معاہدہ اسی صورت میں درست ہے جب اس کے تمام اجزاء میں حسن و خوبی کے ساتھ ایک عمدہ ترتیب پائی جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایجاب و قبول بھی ایک دوسرے کے ساتھ تمام جزئیات کے ساتھ باہم موافق پائے جائیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کہے کہ میں اپنا گھر دس لاکھ روپے کے عوض بیچنے کی پیشکش کرتا ہوں تو یہ معاہدہ تبھی مکمل ہو گا جب دوسرا فریق اسے دس لاکھ روپے کے عوض قبول کر لے۔ اگر وہ کہے کہ میں اسے آٹھ لاکھ روپے کے عوض قبول کرتا ہوں تو ایجاب و قبول میں عدم تطابق کی وجہ سے یہ معاہدے کی تکمیل نہیں ہے۔

(۲) اتصال

خط و کتابت، ٹیلیکس اور فیکس کے ذریعے ایجاب و قبول سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ جن کے احکام تفصیل طلب ہیں، باقی تمام ایجاب و قبول کے لئے ضروری ہے کہ یہ باہم متصل ہوں، درمیان میں کوئی شے حائل نہ ہو، کوئی شخص یوں کہے کہ میں اپنی فلاں دس کنال زمین دس ہزار روپے فی کنال کے حساب سے فروخت کرتا ہوں۔

اس کے جواب میں دوسرا قبول کرلے تو یہ درست ہے۔ لیکن قبول کرنے سے قبل فریقین ایک دوسرے کے حال احوال پوچھنے لگ جائیں اور آخر میں وہ کہے کہ ہاں یاد آیا میں نے آپ کی وہ پیشکش قبول کی تو یہ ایجاب و قبول باہم متصل نہ ہونے کے باعث درست نہیں ہیں۔

(۳) بقاء

کبھی یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ایک فریق نے پیشکش کی پھر واپس لے لی۔ اس کی کئی مثالیں ہم اخبارات میں سرکاری محکموں کی طرف سے مختلف اشیاء کی خریداری کے لئے ٹینڈر نوٹس کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ ایک دن ایک ٹینڈر کی پیشکش شائع ہوتی ہے۔ چند دن بعد اسے واپس لے لیا جاتا ہے یا ایک خاص دن پر سرکاری ناکارہ اشیاء کے نیلام کے لئے بولی دینے کی پیشکش اخبار میں شائع ہوتی ہے۔ چند دن بعد اسے واپس (Revoke) لے لیا جاتا ہے۔ اس صورت میں ایجاب قبول سے قبل ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ قبول کے وقت ایجاب باقی ہو' واپس نہ لیا گیا ہو' اگر ایجاب قابل واپسی (Revokeable) ہو تو اس کی واپسی پر قبولیت بے معنی ہے جو کوئی اثرات مرتب نہیں کرتی۔

۳،۴۔ فریقین (عاقد یا معاہد)

جمہور فقہاء کے نزدیک عاقد یا معاہد عقد کا دوسرا رکن ہے۔ یہ فریق اول (Promisor) بھی ہو سکتا ہے اور فریق دوم (Promisee) بھی۔ دونوں کے لئے احکام البتہ ایک جیسے ہیں ۔

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں معمولی چیزوں کی خرید و فروخت سے لے کر لاکھوں کروڑوں روپے کے کاروبار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایک بڑی دکان پر چھوٹا بچہ بیٹھے ہوئے ایک بڑے کاروبار کو بحسن و خوبی چلا رہا ہے' لین دین کر رہا ہے اور بظاہر کوئی شکایت پیدا ہوتی نظر نہیں آتی۔ کیا یہ شرعاً" درست ہے؟ اس سوال کا جواب قدرے تفصیل طلب ہے۔

فقہائے احناف اور مالکی مکتب فکر عاقد کے لئے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ سات سال یا اس سے زائد عمر کا چھوٹا بچہ عاقل ہو اور کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کا اہل ہو۔ تمیز کی صلاحیت سے خالی' مجنون اور صغیرالسن بچے کے ذریعے لین دین درست نہیں ہے۔ لیکن بعض مالی تصرفات صرف کھرے کھوٹے کی تمیز رکھنے والے بچے سے صادر ہوں تو درست ہیں۔ جیسے تجارتی معاملات جن میں صرف نفع ہو' ان میں بچے کے ولی کی اجازت کے بغیر بھی بچے کا تصرف درست ہے۔ جن معاملات میں صرف نقصان یقینی ہو اس میں ولی کی اجازت کے ساتھ بھی یہ تصرف درست نہیں۔ وہ معاملات جن میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہو ان میں ولی کی اجازت کے ساتھ بچے کا تصرف درست ہے۔

۱۔ معاہد کی اہلیت اور اہلیت کی اقسام

فقہ اسلامی میں عاقد (Contractor) کے لئے ایک لازمی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے جس کا استعمال مختلف مواقع کے لئے مختلف ہے لیکن عمومی طور پر اس کا ہونا ہر عاقد کے لئے ضروری ہے' اس صلاحیت کو "اہلیت" کہتے ہیں۔ اہلیت کی دو قسمیں ہیں۔ اہلیت وجوب اور اہلیت ادا۔ اہلیت وجوب کی تعریف یوں ہے۔

الصلاحیه لثبوت الحقوق واستعمالها ووجوب الالتزامات ووفائها(۸)

(انسان کی وہ) صلاحیت جس کے ذریعے (اس کے) حقوق اور ان کا استعمال ثابت ہوں اور اس پر ذمہ داریاں واجب ہوں اور جس کے ذریعے وہ ان کو پورا کر سکے۔

اہلیت اداء اس صفت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان اپنے اوپر عائد کردہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہل ہوتا ہے اور ایسا صرف صحیح الدماغ اور عاقل ہی کر سکتا ہے۔

اہلیت وجوب ہر انسان کے لئے ثابت ہے۔ یہ وہ صفت ہے جس کا مقام انسان ہے۔ یہ اپنی جگہ انسانی وجود میں بناتی ہے۔ اس کے برعکس اہلیت اداء کا مقام عقل اور تمیز ہے۔ یہ اپنی جگہ عقل اور تمیز میں بناتی ہے' عقل اور تمیز نہ ہوں تو اہلیت اداؤہاں سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اہلیت وجوب اور اہلیت اداء میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر ہر انسان کے لئے ثابت ہے جب کہ ثانی الذکر صرف عاقل اور کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے والے انسان کے لئے ثابت ہے۔ اہلیت کی مزید اقسام بھی ہیں لیکن ان پر مفصل گفتگو کا یہاں پر موقع نہیں ہے۔ البتہ عقد کے ضمن میں چند ضروری مباحث کا ذکر ضروری ہے۔

۱۔ اہلیت کے ادوار

یہ دیکھا جانا ضروری ہوتا ہے کہ عاقد یا معاہد عقد کے وقت کس حالت میں تھا۔ آیا وہ عقد کرنے کی صفت سے متصف تھا یا ابھی اس مرحلہ تک نہیں پہنچا تھا۔ عمر کے اعتبار سے فقہاء نے انسان کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے جنہیں اصطلاح میں اہلیت کے مختلف ادوار کہا جاتا ہے۔ یہ ادوار مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) دور جنین

پیدائش سے قبل ماں کے پیٹ میں موجود بچے کو جنین کہا جاتا ہے۔ اس بچے کے لئے حقوق' جیسے وراثت وغیرہ' تو ثابت ہیں لیکن اس پر کسی طرح کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لہٰذا عقد کی بحث غیر متعلق ہے۔

(۲) عہد طفولیت

پیدائش سے سات سال کے عرصے کو عہد طفولیت کہا جاتا ہے۔ ایسے بچے کو صبی غیر ممیز کہتے ہیں۔ اس عرصے میں کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں ہوتی۔ اس زمانے میں بچے کے تمام لین دین باطل ہوتے

ہیں۔ اس پر کوئی عدالتی چارہ جوئی درست نہیں۔ مجلّہ الاحکام العدلیہ میں آتا ہے۔

"کسی صغیر غیر ممیّز کا کوئی تصرف قولی، اگرچہ ولی نے اجازت دی ہو پھر بھی، صحیح اور قابل اعتبار نہیں"(۹)۔

(۳) دور تمیز

سات سال سے لے کر بلوغت تک کا عرصہ دور تمیز کہلاتا ہے۔ اس عرصے میں محض نفع پر مبنی لین دین کئے جائیں تو درست ہیں۔ محض ضرر رساں لین دین اس عرصے میں درست نہیں ہیں۔ البتہ نفع نقصان دونوں کا احتمال ہونے پر لڑکے کے ولی پر منحصر ہے کہ نفع آور معاملات کی اجازت دے اور ضرر رساں لین دین سے لڑکے کو روک دے۔ اس دور میں بچے کو صبی ممیّز کہا جاتا ہے۔

(۴) دور بلوغ

جب بچے میں وہ جسمانی تبدیلیاں واقع ہو جائیں جن کے بعد وہ وظیفہ زوجیت ادا کر سکے تو شریعت میں وہ بالغ ہے۔ چاہے اس کی عمر کتنی ہی ہو۔ عمر کے اس دور میں انسان کے تصرفات اور معاہدات شریعت میں جائز ہیں البتہ اس پر شہری ذمہ داریاں اسی صورت میں ڈالی جا سکتی ہیں جب یہ اندازہ ہو جائے کہ اب وہ انہیں بخوبی نبھا سکتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے متعلق معاملات میں تصرف کا اہل تو ہو جاتا ہے لیکن دوسروں کے امور نبھانے کا اہل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بالغ ہونے پر آدمی ووٹ دے سکتا ہے لیکن ووٹ لینے کے لئے پچیّس سال کی عمر تک پہنچنا ضروری ہے۔

(۵) دور رشد

یہ عمر کا وہ مرحلہ ہے جب انسان دینی و دنیوی اعتبار سے مال میں سے صحیح اور درست طریقے سے تصرف کرنے کا اہل ہو۔ چاہے دینی اعتبار سے اس کا مرتبہ فسق کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔

اہلیت کے ان مختلف ادوار پر فقہ اسلامی میں تفصیلی احکام ملتے ہیں ان ادوار پر بعض دوسرے عوامل بھی اثر انداز ہوتے ہیں جیسے جنون، نیند، مرض الموت اور نشہ وغیرہ۔ یہ عوامل اہلیت میں عارضہ پیدا کر دیتے ہیں۔ جس کی بناء پر متعلقہ شخص سے لین دین کے احکام جدا ہیں۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۵، ۶ ۔ معقود علیہ، صلہ (Subject Matter and Consideration) اور معقود علیہ کی شرائط

یہ لین دین اور معاہدات کا پانچواں اور چھٹا رکن ہے۔ معقود علیہ سے مراد وہ شے ہے جس کے بارے میں عقد کیا جا رہا ہو اور صلہ سے مراد معقود علیہ کے بدلے میں دیا جانے والا معاوضہ ہے۔ کرایہ داری کے معاہدے میں مکان کا استعمال معقود علیہ ہے اور ماہانہ کرایہ اس کا معاوضہ ہے۔ یومیہ مزدور کا دن بھر کام کرنا "معقود علیہ" اور اس

کی اجرت "صلہ" ہے۔ خرید و فروخت میں موٹر گاڑی معقود علیہ اور روپیہ کی شکل میں دی جانے والی قیمت اس کا صلہ (Consideration) ہے۔ نکاح میں مہر صلہ ہے جو خواتین کی عزت و تکریم اور اعزاز و اکرام کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس دونوں کے احکام کے متعلق زیادہ اہم بحث معقود علیہ کے بارے میں ہے۔ صلے کے بارے میں تقریباً وہی احکام ہیں جو معقود علیہ کے بارے میں ہیں' سوائے چند مقامات کے جہاں بعض احکام معقود علیہ سے قدرے جدا ہیں۔

معقود علیہ کی شرائط

جس شے پر معاہدہ کیا جا رہا ہو' فقہاء نے اس میں چار شرائط کا پایا جانا لازمی قرار دیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ثابت الوجود ہونا

مقعود علیہ کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ معاہدہ کرتے وقت وہ موجود ہو۔ کسی ایسی شے پر معاہدہ کرنا جس کا وجود نہ ہو جائز نہیں ہے۔ پس آم کے درختوں پر محض پھول آنے پر آموں کا سودا کر دینا' گائے کے پیٹ میں بچے کی خرید و فروخت اور کارخانے کے ابتدائی تعمیراتی مراحل میں اس کی پیداوار کا لین دین شرعاً" درست نہیں کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شے کے موجود نہ ہونے پر اس کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

ہماری کاروباری دنیا میں کارخانے کی مستقبل میں تیار ہونے والی مصنوعات (Future Goods) کا سودا کرنے کا چلن عام ہے۔ یہ اس وقت تو درست ہے جب مصنوعات کی تیاری کے بارے میں اس کے بنیادی عناصر اور جملہ لوازم موجود ہوں لیکن اگر کسی شے کے وجود میں آنے کے امکانات بہت ہی کم ہوں یا اس کے عناصر پورے نہ ہوں تو اس کا سودا کرنا شرعاً" درست نہیں ہے۔

(۲) شرعی ہونا

معقود علیہ وہی ہو سکتا ہے جو شرعاً" جائز ہو۔ کسی حرام جانور کا گوشت بیچنا خریدنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جملہ حرام اشیاء پر معاہدہ کرنا شرعاً" جائز نہیں ہے۔ آلات موسیقی کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ نزاع پیدا ہونے پر اسلامی ریاست کی عدالت سماعت کی مجاز نہیں۔ یہ احکام مسلمانوں کے لئے ہیں غیر مسلم رعایا کے لئے یہ سب اشیاء معقود علیہ ہو سکتی ہیں۔

(۳) قابل انتقال ہونا

یوں بھی ہو سکتا ہے کہ شے تو موجود ہو لیکن بیچنے والا اسے دوسرے کے حوالے کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ ایسی حالت میں معاہدہ جائز نہیں ہے۔ سمندر سے پکڑی جانے والی مچھلیاں مچھیرا ہر روز پکڑتا ہے لیکن جب تک اسے مچھلیوں پر باقاعدہ قدرت حاصل نہ ہو اس وقت تک ان کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ کسی ایسی شے کا سودا کرنا جس کی ملکیت تو بائع کے لئے ثابت ہو لیکن قبضہ کسی اور کا ہو جس کی وجہ سے وہ شے مشتری کے حوالے کرنے سے

قاصر ہو' ناجائز ہے۔

(۴) معین اور معروف ہونا

ضروری ہے کہ معقود علیہ کے بارے میں فریقین ایک جیسی معلومات رکھتے ہوں دونوں کے لئے وہ شے معین اور معروف ہو۔ کوئی شخص گاڑیوں کا کاروبار کرتا ہو تو ایک خاص گاڑی کا لین دین کرتے وقت اس کا نمبر' بننے کا سال اور نام وغیرہ معاہدے میں مکمل طور پر بیان کرے۔ قطعہ زمین کا لین دین ہو رہا ہو تو زمین کا معروف رقبہ' محل وقوع' حالت اور حدود اربعہ کا باقاعدہ ذکر موجود ہو۔ معروف رقبہ سے مراد یہ ہے کہ دونوں کے لئے اس کا مفہوم ایک ہی ہو مثلاً سندھ کا کوئی زمیندار پنجاب کے کسان کے ہاتھ جب ایک مربع زمین فروخت کرے تو یوں کہے کہ "ایک مربع زمین مشمولہ سولہ ایکڑ" کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کہے تو ممکن ہے پنجاب کا خریدار وہی مربع تصور کرے جو پنجاب میں رائج ہے' جو پچیس ایکڑ پر محیط ہوتا ہے۔ لہٰذا ایکڑوں میں رقبے کی تخصیص ہو جانے کے بعد یہ ابہام دور ہو جاتا ہے۔ جنس' وزن' طوالت' قسم' رقبہ' مقدار' گنتی ہر وہ شے یا پیمانہ جو متعلقہ شے کے تعین میں استعمال ہوتا ہو' اس کا بیان لازمی ہے۔ اس شرط سے مراد یہ ہے کہ تمام ابہام قبل از معاہدہ دور کر لیے جائیں ورنہ بعد میں الجھنیں ظاہر ہو سکتی ہیں جن کا تدراک شاید اس کلفت سے زیادہ مشکل ہو جو شے کے تعین میں ذرا سی محنت پر صرف ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے بعض حصوں میں نکاح خواں نکاح کے وقت لڑکی کا نام اور ولدیت بیان کرنے کے بعد ایک جملہ کا اضافہ بھی کرتے ہیں "کہ اس نام کی کوئی لڑکی اس گھر میں نہیں ہے" یہ جملہ دراصل اس ابہام کو دور کرتا ہے جو شادی بیاہ کے معاملہ میں لڑکی کے تعین میں پیش آتے ہیں۔

شرائط معاہدہ

بعض دفعہ معاہدہ میں کچھ شرائط رکھ دی جاتی ہیں یہ شرائط دو طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) شرائط لازمہ (Conditions)

یہ وہ شرائط ہیں جو معاہدے کی تکمیل' ایفاء اور اس پر عمل کے لئے ضروری یا اس کے لئے مد و معاون ثابت ہوتی ہیں مثلاً سامان زیرمعاہدہ کی ترسیل کے طریق کار' باربرداری اور وقت ترسیل سے متعلق شرائط۔ چونکہ ان شرائط پر عمل کئے بغیر خود معاہدہ مکمل نہیں ہو سکتا' اس لئے ان پر عمل خود معاہدے پر عمل کے مترادف ہے اور یہ شرائط معاہدے کا لازمی جزو شمار ہوتی ہیں۔ اگر معاہدے پر پابندی کے لئے اصرار یا کارروائی ضروری ہو تو ان شرائط کی پابندی پر بھی اصرار اور اس مقصد کے لئے کارروائی کی جا سکتی ہے۔

(۲) شرائط غیرلازمہ (Warranties)

ان میں وہ شرائط شامل ہیں جو معاہدے کی تکمیل' ایفاء اور اس پر عمل کے لئے ضروری نہ ہوں اور نہ اس

سلسلے میں ممدومعاون ہوتی ہیں۔ ایسی شرائط معاہدے کالازمی جزو شمار نہیں ہوتیں' اس وجہ سے ان شرائط کی پابندی پر اصرار نہیں کیا جا سکتا۔

اس امر کو متعین کرنے کے لئے کہ کون سی شرائط لازمی ہیں اور کون سے غیرلازمی' معقود علیہ کی نوعیت' ضرورت' حیثیت اور عرف کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

عقد کے بارے میں اسلام کا اخلاقی تصور

عقد کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ فقہ اسلام میں یہ لفظ اصطلاحا" وضع کر لیا گیا ہے۔ ہر چند کہ لفظ معاہدہ بھی اس کے قائم مقام استعمال کیا جا سکتا ہے' قرآن وسنت میں یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کے بطور استعمال ہوتے ہیں۔

کتب علوم اسلامیہ میں اسلامی اخلاق و آداب کے تذکرہ میں عقد یا معاہدہ کر کے اس کی پاسداری کرنے کے لئے کئی اور اصطلاحات بھی مستعمل ہیں۔ مثلاً مستقبل میں کوئی کام کرنے کے لئے دو افراد باہم متفق ہوں تو لفظ "وعدہ" استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک شخص دوسرے کے ساتھ خاص وقت پر ملنے کے لئے متفق ہو جائے تو یہ بھی دونوں کے درمیان معاہدہ ہے۔ اگر وہ دونوں مقررہ وقت پر ملاقات کریں تو یہ ایفائے عہد کہلاتا ہے۔ نہ ملنے پر اس کے لئے وعدہ خلافی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ منضبط انداز میں کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کے لئے "عہد شکنی" کی ترکیب وضع کی گئی ہے۔

معاہدے' عہد' وعدے یا عقد ہر صورت میں ایک انسان کی طرف سے دوسرے پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کیونکہ یہ دونوں انسانوں کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ تعلق زبانی بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی نوعیت تحریری بھی ہو سکتی ہے۔ بعض حالات میں خاموشی کے ذریعے بھی وعدہ یا عہد قائم ہو سکتا ہے۔ عہد یا وعدہ کرنے کے لئے اپنی رضامندی دوسرے کو تفویض بھی کی جا سکتی ہے۔ اس تعلق کی نوعیت کچھ بھی ہو' اسلامی اخلاقیات میں عہد کی پاسداری کرنے کے لئے واضح اور جلی احکام نازل ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوٓا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (مائدہ' ۵: ۱)

اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے عقد' معاہدے اور وعدے پورا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آیت کا اسلوب بتا رہا ہے کہ عہد کی پابندی کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ کیونکہ عہد وفا کرنے کا حکم صیغہ امر میں نازل ہوا ہے۔ یہ کوئی محض وعظ و نصیحت کا انداز نہیں ہے کہ جی چاہے تو وعدہ وفا کیا اور جی میں آئے تو اپنی مرضی سے جیسے پسند ہو کام کر لیا جائے۔ بلکہ لازمی ہے کہ فریقین جس بات پر متفق ہو جائیں اسے تمام جزئیات کے ساتھ پورا کریں۔ اس

تصور کی تائید ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۴)

اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں پرسش ہو گی۔

آیت کے پہلے حصے میں وہی مضمون ہے جو گزشتہ آیت میں مذکور ہے۔ لیکن اگلے حصے میں یہ کہہ کر ایفائے عہد کی اہمیت روشن کر دی کہ عہد کو پورا کرنے یا نہ کرنے پر سوال کیا جائے گا۔ یہاں پر سوال کا ذکر کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ سوال محض سوال تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت بازپرس کی ہے۔

ایفائے عہد کے دو اہم پہلو

معاشرتی زندگی میں ایفائے عہد دو پہلوؤں سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ ہر چند کہ اس کے کئی اور اہم گوشے بھی بحث طلب ہیں لیکن یہ دو پہلو ازحد اہم ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ ایک دوسرے سے ارتباط

اولاً یہ کہ جب ایک شخص کسی دوسرے کے ساتھ کوئی عہد کرتا ہے تو بظاہر یہ دو انسانوں کا معاملہ ہے اور قانونی اعتبار سے کسی اور کا عمل دخل اس میں نہیں ہے لیکن انسانوں کے اس معاشرے میں یہ عہد محض دو انسانوں کا نہیں ہے بلکہ اس کا بہت گہرا تعلق دوسروں سے ہو سکتا ہے۔ یہ بات ایک مثال سے واضح ہو سکتی ہے۔

فرض کیجئے ایک شخص دوسرے سے دس ہزار روپے دس دن کے لئے اس وعدہ پر ادھار لیتا ہے کہ وہ ایک خاص تاریخ پر یہ رقم لوٹا دے گا۔ یہ قول و قرار سامنے رکھتے ہوئے قرض خواہ کسی تیسرے آدمی سے گاڑی کا سودا کرتا ہے اور زریعانہ (Token Money) کے طور پر پانچ ہزار روپے ادا کر دیتا ہے۔ گاڑی بیچنے والا اس خیال میں ہے کہ رقم وصول کرتے ہی تعلیم یا کاروبار کے سلسلے میں بیرون ملک روانہ ہو گا۔ لہٰذا اس نے بھی اپنی منصوبہ بندی کر کے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خرید لیا اور دوسرے معاملات طے کر کے متعلقہ ملک کا ویزا حاصل کر لیا۔ اب اس معاملہ میں غور کیجئے، تمام امور کا طے شدہ طریقے پر انجام پانا اس بات پر منحصر ہے کہ دس ہزار روپے کا مقروض شخص عین وقت مقررہ پر یہ رقم قرض خواہ کو لوٹا دے۔ اگر وہ اس میں غفلت، لاپرواہی، کوتاہی، بھول چوک یا بدنیتی کے سبب کامیاب نہیں ہوتا تو قرض خواہ کے وہ پانچ ہزار روپے ڈوب جاتے ہیں جو اس نے بطور زریعانہ گاڑی والے کو دے رکھے ہیں کیونکہ معاشرے کا عرف یہی ہے۔ گاڑی والا گاڑی کے نہ بکنے کے سبب بیرون ملک جانے سے رہ جاتا ہے یا اگر چلا بھی جائے تو گاڑی کو کسی ایسے طریقے سے اونے پونے داموں فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو اس کے لئے پسندیدہ نہیں ہے۔ اسے اس سودے میں نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

اسی طرح کسی دور دراز قصبے میں ایک شخص دوسرے سے یہ وعدہ کرے کہ اگلے دن وہ اسے اپنی گاڑی میں

شہر لے جائے گا جہاں وہ مقابلہ کے امتحان کے لئے اپنی درخواست جمع کرائے گا جس کے لئے اگلے دن آخری تاریخ ہے اور اس امیدوار کے لئے بھی یہ آخری موقع ہے۔ مقررہ وقت پر گاڑی والے شخص کے نہ آنے کے باعث یہ عہد شکنی درخواست گزار کی ساری زندگی کا رخ تبدیل کر دیتی ہے۔

روزمرہ زندگی میں اس طرح کی بے شمار مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں جہاں کسی کی لاپرواہی' کوتاہی یا غفلت کے باعث دوسرے فرد کی زندگی پر بے حد مضر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ جب یہ صورت حال کسی معاشرے میں کثرت سے پھیل جائے' افراد بے سوچے سمجھے دوسروں کے ساتھ وعدے کر لیں اور ان کو نبھانے میں ذرا سنجیدہ نہ ہوں تو ایسا معاشرہ بے یقینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور بے یقینی بجائے خود ایک تباہ کن معاشرتی مرض ہے۔ انفرادی سطح پر افراد اپنے معمولی معمولی کاموں سے لے کر مستقل نوعیت کے فیصلوں تک پہنچنے میں متردد رہتے ہیں۔ نہ کسی کام میں ہاتھ ڈال سکتے ہیں اور نہ شروع کئے ہوئے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ محکمہ بجلی اپنے صارفین کے ساتھ کئے گئے معاہدے کی رو سے مسلسل برقی رو مہیا کرنے کا پابند ہے لیکن آئے دن کے اچانک برقی تعطل کے باعث کس قدر اقتصادی نقصان ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ فضائی کمپنیاں اپنے مسافروں سے کئے گئے وعدے کے مطابق جہاز کی بروقت اڑان کی پابند ہیں لیکن عملاً ایسا نہ ہونے کے باعث سینکڑوں مسافروں کے اعزہ و اقارب کو جو کلفت اٹھانا پڑتی ہے یہ وہی جانتے ہیں۔ مدعی اپنے مقدمے کے سلسلے میں گواہوں کی منت سماجت کر کے' اچھی خاصی رقم خرچ کر کے انہیں عدالت میں لاتا ہے تاکہ ان کی گواہی حاصل کر سکے۔ عین پیشی والے دن پتا چلتا ہے کہ فریق مخالف کا وکیل اپنی انتخابی مہم پر چلا گیا ہے لہٰذا ایک مہینہ بعد کی تاریخ دے دی جاتی ہے۔ کیا ایک ماہ بعد مدعی ان سارے گواہوں کو دوبارہ پیش کر سکے گا؟ اور اگر کر سکے گا تو کیا ان کی گواہی انہی جذبات سے معمور ہو گی جو ایک ماہ قبل پہلی پیشی پر تھی۔

عہد شکنی کے نتیجے میں بے یقینی کس قدر تباہ کن ہے؟ اس کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں۔ کچھ عرصہ قبل کرکٹ جیتنے کی خوشی میں اچانک پورے ملک میں چھٹی کا اعلان کر دیا گیا۔ عین اسی دن ایک تعلیمی ادارے میں اندرون سندھ سے ایک معمولی تنخواہ دار خاتون کو طے شدہ پروگرام کے مطابق آنا تھا۔ جب وہ اس ادارے کے صدر دروازے پر پہنچی تو اسے کہا گیا کہ آج چھٹی ہے اس لیے وہ اگلے دن تشریف لائے۔ اگلے دن دوبارہ آنے پر پتا چلا کہ آج سے متعلقہ صاحب لمبی چھٹی پر چلے گئے ہیں لہٰذا ان کا کام نہیں ہو سکتا۔ ایفائے عہد کے اصول کو سامنے رکھا جائے تو چھٹیوں کی ایک فہرست سال کے آغاز میں جاری کر دینے کے بعد مزید کسی چھٹی کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ اس فہرست کے اجراء کے بعد گویا یہ عہد کر لیا گیا ہے کہ باقی دنوں میں دفاتر کھلے رہیں گے۔ اسی عہد کی روشنی میں لوگ اپنے مشاغل ترتیب دیتے ہیں جس سے انحراف کا مطلب لوگوں کی تکالیف میں اضافے کا موجب

ہوتا ہے۔

گویا بے یقینی، تذبذب، خوف اور ابہام یہ سب امراض ایک ہی سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں جو عہد شکنی کہلاتا ہے۔ ذرا غور کیجئے! ایک ذرا سی منفی صفت سے معاشرے پر کس قدر تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ مضر اثرات معاشرے کے اندر صالح عنصر کے مقابلے میں فاسد مادے بکھیر دیتے ہیں جن کی وجہ سے معاشرہ صحت مند اخلاقی قدروں کو فروغ دینے کی بجائے خود اپنی بقاء کے لئے فکرمند رہتا ہے۔ یہ سب امراض وہ سوراخ ہیں جو کسی معاشرے کو کھوکھلا کرتے ہیں اور انہی میں سے برائیاں اندر داخل ہوتی ہیں۔ عربی زبان میں اس کے لئے نفاق کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے یوں کہا جائے کہ "نافق الیربوع" تو اس کے معنی "جنگلی چوہے کا سوراخ میں داخل ہونا" ہیں۔ چوہا، جو موذی جانور ہے، اولاً زمین میں سوراخ کر کے اسے کمزور کرنے کا ذریعے بنا پھر خود بھی اس میں چھپ گیا۔ اسی لفظ سے لفظ منافق نکلا ہے جو دین کے اندر سوراخ کر کے مسلمانوں میں چھپ کر معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔

نفاق اور منافق کے بارے میں گفتگو کا یہاں پر اگرچہ موقع نہیں ہے لیکن یہ بیان اس لئے شروع کیا گیا ہے کہ عہد شکنی منافق کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ ذرا غور سے یہ بات فوراً سمجھ میں آجاتی ہے کہ معاشرے میں عہد شکنی کے ذریعے جو چھید پڑتے ہیں وہی صورت منافق کے لغوی معانی میں بھی ملتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"اربع خلال من کن فیه کان منافقا خالصا من اذا احدث کذب واذا وعد اخلف واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر و من کانت فیه خصله منهن کانت فیه خصله من النفاق حتی یدعها(۱۰)

جس شخص میں یہ چار خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے (کہ جب وہ شخص) بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، معاہدہ کرے تو توڑ دے، جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے، اگر کسی کے اندر ان میں سے ایک عادت پائی جائے تو اس کے اندر نفاق کا حصہ موجود ہے۔ یہاں تک کہ وہ (اس عادت کو) چھوڑ دے۔

۲۔ بدعہدی اور نفاق کا تعلق

انفرادی افعال قبیحہ کے جو مضر اثرات دوسروں اور پورے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں ان کا ایک اجمالی خاکہ ہم نے گزشتہ سطور میں بیان کیا ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بدعہدی معاہدے کے خلاف ہے اور قول و قرار کی پاسداری نہ کرنا کوئی معمولی مرض نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ انفرادی سطح پر بدعہد اور قول و قرار کی پاسداری نہ کرنے والا شخص خود بھی اپنے اس فعل کے اثرات بد سے نہیں بچ سکتا۔ اللہ نے انسان کو جو صاف ستھری، پاکیزہ اور آئینے کی طرح شفاف شخصیت دے کر دنیا میں بھیجا ہے، انسان بدعہدی کے ذریعے اس پر مسلسل

خراشیں ڈال ڈال کر اسے مسخ کر ڈالتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ خراشیں ایک وقت میں اتنی زیادہ ہو جاتی ہیں کہ پھر انسان کی اصل شخصیت کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث ہی کو لیجئے جس میں بدعہدی کو نفاق کی چار علامات میں سے ایک علامت قرار دیا گیا ہے اور جس میں یہ چاروں علامات پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس کے اندر ایک صفت مل جائے وہ اصل صفت کی نسبت سے ذرا کم درجے کا منافق ہے (۱۱)۔ لیکن یہ طے ہے کہ بدعہدی نے اس کی شخصیت میں کوئی کمی ضرور کر دی ہے اور یہ کوئی معمولی کمی نہیں بلکہ اس کے باعث تو ایک اعتبار سے انسان کا ایمان ہی کامل نہیں ہے اور ایمان ہی وہ شناخت ہے جو مسلمان کو کافر سے ممیز کرتی ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا دین لمن لا عهد له (۱۲)

اس شخص کا دین کامل نہیں جو عہد پورا نہیں کرتا۔

دونوں احادیث کو ملا کر پڑھا جائے تو مفہوم کچھ یوں بنتا ہے کہ بدعہدی کے باعث انسان کے اندر اولاً نفاق کے جراثیم سرایت کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس کا دین ضعف کا شکار ہو جاتا ہے جو شریعت کے پیش نظر نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت مسلمان کو ہر لحاظ سے درست دیکھنا چاہتی ہے۔ شریعت فسق کو تو کسی حد تک انسان کی کوتاہی سمجھ کر شاید اعراض کر لیتی ہو لیکن بدعہدی ایسا مرض ہے جو انسان کو اس کے راستے (دین) سے ہٹا دیتا ہے۔ اور انسان راستے سے ہٹ کر چل رہا ہو تو گویا مسلم برادری کے ساتھ نہیں، کسی دوسرے راستے پر چل رہا ہے۔

معاشرے پر بدعہدی کے اثرات

یوں تو آج کل ایک سے ایک بڑھ کر معاشرتی مرض دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ جرائم سے قطع نظر دوسری معمولی برائیوں ہی کو دیکھا جائے تو یہ بھی امربیل کی طرح پورے معاشرے کے گرد لپٹی ہوئی ہیں جن کے باعث عام آدمی بے بس و لاچار ہو گیا ہے۔ لیکن ذرا عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ امراض زیادہ تر لوگوں کی اپنی بدعہدی ہی کا نتیجہ ہیں۔ مثال کے طور پر تین چار عشرے قبل ہر شہر میں آمدورفت کا ایک مقامی نظام ہوا کرتا تھا۔ ڈرائیور وقت مقررہ پر گاڑی کا مکمل معائنہ کر کے اسے سڑک پر لاتا تھا۔ لوگوں نے بھی ان گاڑیوں کے نظام الاوقات کے مطابق اپنے اپنے مشاغل ترتیب دے رکھے تھے۔ اس طرح تمام شہری آبادی ایک خاص ترتیب سے پر سکون انداز میں زندگی بسر کرنے کی عادی تھی۔ پھر ڈرائیوروں نے وقت مقررہ پر گاڑی چلانا چھوڑ دیا تو لوگ دفتروں میں تاخیر سے پہنچنا شروع ہوئے۔ دفتر تاخیر سے پہنچنا روز کا معمول بن گیا تو دفتروں میں بیٹھے ارباب حل و عقد نے یہ سوچا کہ ہر محکمہ اپنی گاڑیوں کا بیڑہ تیار کرے۔ اس کے لئے رقم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ یہ رقم مہیا کرنے کے لئے حکومت کو مزید ٹیکس لگانا پڑے۔ جس کا بوجھ لوگوں ہی کی طرف منتقل ہوا۔ جب گاڑیاں دستیاب ہو گئیں تو اب عملاً یہ صورت ہے کہ عوام الناس کے

لئے کسی شہر میں مقامی ٹرانسپورٹ کے نظام کے تحت اگر سو گاڑیاں چل رہی ہیں تو سرکاری محکموں کے پاس موجود ہزاروں گاڑیاں صرف صبح کے وقت ملازمین کو لا کر شام کو گھروں میں چھوڑ آتی ہیں۔ یہ گاڑیاں سارا دن بے کار کھڑی رہتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں وسائل کی کمی نہیں ہے بلکہ آبادی میں اضافے کے ساتھ وسائل میں بھی اسی تناسب کے ساتھ اضافہ ہوتا ہے۔ بات صرف بدعہدی سے شروع ہوئی۔ ڈرائیور ایک خاص وقت پر گاڑی چلانے کے لئے مامور تھا۔ وہ اپنے محکمہ کے ساتھ عہد کرنے کے بعد بدعہدی کا شکار ہوا تو کروڑوں روپے کے ملکی وسائل ایک جگہ جمع ہو گئے اور عوام کے مسائل میں اضافہ ہوتا چلا گیا ہے۔

سرکاری سطح پر مسائل کو یوں حل کر لیا گیا۔ رہے عوام تو انہوں نے اپنی ذاتی سواری کے لئے تگ و دو شروع کی۔ اگر ان کے مسائل خود بخود حل ہو جاتے تو انہیں بدعنوانی کی قطعاً" ضرورت نہ تھی۔ لیکن مسائل میں اضافے کے ساتھ ہی انہوں نے جائز و ناجائز ذریعے سے ذاتی سواری کے حصول کے لئے بدعنوانی اور رشوت کا سہارا لیا۔ اس طرح معاشرے میں مزید فساد پھیلا۔ آہستہ آہستہ نیک سیرت عنصر بھی بدعنوانی کا شکار ہوتا چلا گیا۔

تیسری طرف لوگوں کو ذاتی سواری مہیا کرنے کے لئے غیر ملکی منڈی سے رجوع کیا گیا۔ اس طرح کثیر ملکی وسائل صرف کر کے جو زرمبادلہ حاصل کیا جاتا ہے وہ غیر ملکی موٹروں کی درآمد پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ عام آدمی کے پاس بھی ذاتی سواری موجود ہے لیکن سارے دن میں محض چند گھنٹے چلتی ہے۔ باقی سارا دن کھڑی رہتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ایک فرد کے لئے جو ایندھن خرچ ہوتا ہے ایفائے عہد کے ذریعے چار پانچ آدمیوں کے لئے کافی ہے۔

عہد شکنی کی یہ ایک مثال ہے۔ تھوڑے غور کے بعد ہمیں قدم قدم پر بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں جن کے باعث نہ معاشرہ اپنے محور پر قائم ہے اور نہ عوام خوش ہیں۔ ملکی وسائل کا بہت بڑا حصہ اس عہد شکنی کے نتائج کی نظر ہو جاتا ہے۔ ان معاشرتی برائیوں اور ان کے نتائج پر غور کیا جائے تو حدیث میں دیا گیا سبق بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے لادین لمن لا عھدلہ کہ اس شخص کا دین ہی نہیں جو ایفائے عہد کو شعار نہ بنائے۔ اب ذرا ایمان کے دعوے دار کسی شخص کی زندگی سے عہد کی پاسداری کی صفت خارج کر کے دیکھئے، تلچھٹ کے سوا کچھ باقی نظر نہیں آتا۔

بدعہدی اور اس کے نتائج اس قدر بھیانک اور لرزہ طاری کر دینے والے ہیں کہ ذرا فہم اور بصیرت رکھنے والے کے لئے یہ سمجھنا آسان ہے کہ بدعہدی سے بچنا ایمان کی حفاظت کے مترادف ہے اور جو شخص اپنے ایمان کی حفاظت نہ کر سکے وہ زبان سے کلمہ طیبہ کا ورد بھی کرتا رہے تو بھی عملاً اس کا وجود ایمان سے خالی ہے۔

عقد لازم

جب اللہ تعالیٰ کا یہ غیر مشروط حکم ہو کہ عقود (معاہدات) کو پورا کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ہو کہ مومن اپنی عائد کردہ شرطوں کے پابند ہیں تو اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ نہ صرف معاہدات کی پابندی میں سہولتیں پیدا کرے بلکہ معاہدات کی پابندی کرائے اور جو فریق معاہدے کی پابندی نہ کرے اسے پابندی کرنے پر مجبور کرے اور خلاف ورزی پر دوسرے فریق کے نقصان کا ہرجانہ دلائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ان العھد کان مسولا (بنی اسرائیل، ۱۷:۳۴) یعنی "عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا" کا یہی منشا ہے۔ جیسا کہ امام جصاص رازی نے کہا۔

"(ان العھد کان مسولا) معناہ مسولا عنہ للجزاء" (احکام القرآن ج ۵، ص ۲۷: داراحیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اسے پورا کرنے کے لئے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

فقہاء معاہدات کی پابندی کو ایک شرعی پابندی تصور کرتے ہیں فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ اپنے ارکان (لازمی عناصر) اور شرائط کے مطابق طے شدہ معاہدہ کو قوت الزامیہ (معاہدے کو لازم بنانے والی قوت) سے مستفید کیا جائے، ہر معاہدہ، جسے انسان آزاد ارادے سے کرے، اپنے نتائج اس شخص پر لازم کر دیتا ہے جو اسے کرے اور وہ شخص اپنے ارادے (جس کا اظہار معاہدے کی شکل میں ہوا) کا پابند ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ..... اے ایمان والو! اپنے معاہدے پورے کرو..... اپنا عہد پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا..... اور فقہاء نے اس امر پر بھی اتفاق کا اظہار کیا ہے کہ معاہدات کے آثار (جو معاہدات کی پابندی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں) اصل میں شارع کا عمل ہے نہ کہ فریقین معاہدہ کا عمل، لہٰذا فریقین معاہدہ کا ارادہ معاہدہ کو وجود میں لاتا ہے لیکن معاہدے کا حکم اور اس کے آثار کو شریعت مرتب کرتی ہے۔ اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ معاہدات شرعی احکام کے اسباب ہیں جو آثار کو پیدا کرتے ہیں، یعنی معاہدہ اور اس کے آثار میں رابطہ اس اعتبار سے ہے کہ ان میں ایک سبب پیدا کرتا ہے اور دوسرا سبب بنتا ہے۔ اس رابطہ کو عقل نے نہیں بنایا بلکہ شارع نے بنایا ہے۔ معاہدہ کے فریقین کے ارادے کو شریعت قوت عطا کرتی ہے، اس طرح کہ ہر معاہدے کے لئے وہ حدود مقرر کرتی ہے، لہٰذا معاہدہ کے فریقین کو اس پر عمل کرنے کے لئے شریعت کی مقرر حدود معلوم کرنا پڑتی ہیں۔" (الفقہ الاسلامی وادلتہ: وھبۃ الزحیلی: ج ۴، ص ۲۰۰-۲۰۱، دارالفکر دمشق: ۱۹۸۵)

فقہاء کی اس متفقہ رائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقد لازم (جسے کوئی فریق فسخ نہ کر سکے اور دونوں کے لئے اس پر عمل کرنا لازم ہو) پر عمل تقاضائے شرعی ہے اور ہر اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ ایسا نظم (Discipline) قائم کرے جس سے معاہدات کے فریقین کو عمل پر مجبور کیا جا سکے۔ اوپر کے اقتباس میں "قوت الزامیہ" سے یہی نظم مراد ہے جو بذریعہ عدالت ظاہر ہوتا ہے۔

خاتمہ کلام اور مزید مطالعہ کے لئے

عقد کے بارے میں کتب فقہ میں بڑی طویل بحثیں ملتی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ بخوف طوالت ہم نے عقد سے متعلق کئی ضروری موضوعات اور مباحث حذف کر دیئے ہیں۔ ان موضوعات میں اہلیت' اس کی اقسام اور عوارض' ولایت اور وکالت پر تو مستقل مقالے قلمبند کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عقد کی اقسام پر ایک مضمون لکھا جانا ضروری ہے۔ عقد کے ضمن میں فریقین کو بعض تحفظات بھی حاصل ہوتے ہیں جنہیں اصطلاحاً" خیارات (Options) کہتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی کم و بیش ڈیڑھ درجن کے قریب ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا تذکرہ خاصا بحث طلب ہے۔ لہٰذا ایک مکمل مضمون تو محض ان کے ذکر پر محیط ہو سکتا ہے۔ عقد کا خاتمہ کیسے ہو؟ اس کی مختلف شکلیں کیسے روبہ عمل لائی جا سکتی ہیں؟ یہ باب بھی خاصا طویل ہے۔ لہٰذا اس باب میں ہم نے انہی عنوانات کو اپنی بحث کا مدار بنایا ہے جن کا جاننا قانون دان حضرات کے لئے نسبتاً زیادہ ضروری ہے۔ رہے باقی عنوانات تو ان کے لئے یہ ابتدائی معلومات ذہن نشین کرنے کے بعد کتب فقہ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ وہ اصحاب جو اس موضوع سے متعلق تفصیلی احکام جاننا چاہتے ہیں ان کے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔

۱۔ مجلّہ الاحکام العدلیہ' ترجمہ عبدالقدوس ہاشمی' لاہور

۲۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ' جلد دوم' اردو ترجمہ' محکمہ اوقاف' لاہور

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے خصوصاً ایفائے عہد کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اہل ایمان میں سے ہوں (آمین)۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ فقہاء کی آراء کے لئے تفصیل جزیری کی "کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس باب میں فقہاء کی تمام آراء بالعموم وہیں سے لی گئی ہیں۔

۲۔ ابن ہمام: شرح فتح القدیر' مصر' مطبع مصطفیٰ محمد' ۱۳۵۶ھ' ج ۵' ص ۷۴

۳۔ مجلّہ: مجلّہ الاحکام العدلیہ' کراچی' قدیمی کتب خانہ' مادہ ۱۰۳' ص ۲۹

۴۔ سنہوری: الوسیط' قاہرہ' دارالنشر للجامعات المصریہ' ۱۹۵۲ء' ج ۱' ص ۱۳۷

۵۔ سنہوری: حوالہ ایضاً

۶۔ مجلّہ: مجلّہ الاحکام العدلیہ' مادہ ۱۰۱' ص ۲۹' حوالہ ایضاً

۷۔ مجلّہ: مادہ ۱۷۵' ص ۳۶' حوالہ ایضاً

۸۔ حسان: المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی' قاہرہ' شرکہ الطوبجی' ۱۹۸۱ء' ص ۳۲۰

۹۔ مجلّہ: مادہ ۹۶۷، ص ۱۸۷، حوالہ ایضاً

۱۰۔ بخاری: کتاب الجہاد والسیر

۱۱۔ بعض افراد اس حدیث سے بہت غلط نتائج نکالتے ہیں کسی شخص سے ملکی، قومی یا انفرادی معاملے میں کسی کوتاہی کے باعث کوئی بدعہدی سرزد ہو جائے تو اسے فوراً منافق قرار دے کر دلیل کے طور پر مذکورہ بالا حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث اس شخص کے نفاق کے بارے میں ہے جو مذکورہ چار عادات کو مکمل طور پر اس طرح اپنا لے کہ یہ اس کی پہچان بن جائیں۔ یہی حدیث کا مفہوم ہے اور الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ رہا وہ عام مسلمان جو کبھی کبھی کسی غفلت یا کوتاہی کی وجہ سے بدعہدی کرے تو اسے ہم زیادہ سے زیادہ فاسق کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بدعہدی تو سرزد ہوئی ہے لیکن اس نے بطور عادت اسے نہیں اپنایا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ چاروں عادات مل کر نفاق کی تکوین کرتی ہیں کسی شخص کے اندر اگر ایک عادت راسخ ہو جائے اور باقی سے بچا رہے تو اسے منافق کہنا درست نہیں ہے۔ جیسے اگر کہا جائے کہ تربوز اندر سے سرخ ہوتا ہے تو سرخی تربوز کی ایک علامت ہے لیکن ہر وہ شے جو اندر سے سرخ ہو اسے تربوز کہنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کسی اچھے بھلے مسلمان کے اندر محض بدعہدی کی عادت مکمل نفاق نہیں کہلا سکتی۔ واللہ اعلم۔

۱۲۔ ولی الدین: مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان

مصادر و مراجع

۱۔ ابن ہمام: کمال محمد بن عبدالواحد (۸۶۱ھ) "شرح فتح القدیر" مصر، مطبعہ مصطفیٰ محمد، ۱۳۵۶ھ

۲۔ بخاری: محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم (۲۵۶ھ) "الجامع الصحیح" استنبول، دارالطباعۃ العامرۃ

۳۔ حسان: حسین حامد ڈاکٹر، "المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی" قاہرہ شرکۃ الطوبجی، ۱۹۸۱ء

۴۔ سنہوری: عبدالرحمٰن احمد، ڈاکٹر "الوسیط فی شرح القانون المدنی الجدید" قاہرہ، دارالنشر للجامعات المصریہ، ۱۹۵۲ء

۵۔ مجلّہ: مجلّہ الاحکام العدلیہ، کراچی، قدیمی کتب خانہ

۶۔ ولی الدین: ولی الدین محمد بن عبداللہ (۷۴۳ھ) "مشکوۃ المصابیح" دیوبند، المکتبہ المجتبائیہ

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

	ابتدائی کورس
۱۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ اوّل۔قرآن
۲۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ دوم۔سنت
۳۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ سوم۔اجماع
۴۔	اسلامی قانون کے ماخذ، ماخذ چہارم۔قیاس
۵۔	اجتہاد کی تعریف
۶۔	اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار
۷۔	دینی مسائل میں اختلافات، اسباب اور ان کا حل
۸۔	اسلام کا قانون نکاح وطلاق
۹۔	اسلام کا قانون وراثت ووصیت
۱۰۔	اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ
۱۱۔	اسلام کا تصور ملکیت ومال
۱۲۔	اسلام کا تصور معاہدہ
۱۳۔	اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور
۱۴۔	مزارعت اور مساقات
۱۵۔	اسلام کا نظام محاصل
۱۶۔	اسلام کا نظام مصارف
۱۷۔	اسلام میں عدل وقضاء کا تصور
۱۸۔	اسلام کا نظام احتساب
۱۹۔	اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور
۲۰۔	اسلام کا تصور جرم وسزا
۲۱۔	اسلام کا فوجداری قانون
۲۲۔	اسلام کا دستوری قانون
۲۳۔	اسلام کا قانون بین الممالک
۲۴۔	اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری

	اختصاصی مطالعہ: اصول فقہ کورس
۱۔	علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ اوّل)
۲۔	علم اصولِ فقہ: ایک تعارف (حصہ دوم)
۳۔	قرآن
۴۔	سنت
۵۔	سنّت کی حجیت کا جائزہ
۶۔	اجماع
۷۔	قیاس
۸۔	شرائع سابقہ۔اقوالِ صحابہؓ۔استصلاح
۹۔	استحسان۔استصحاب۔استدلال
۱۰۔	عُرف اور سدّ ذرائع
۱۱۔	حکمِ شرعی۔۱ (حکمِ تکلیفی)
۱۲۔	حکمِ شرعی۔۲ (حکمِ وضعی)
۱۳۔	خاص
۱۴۔	عام۔مشترک۔حقیقت ومجاز۔صریح وکنایہ
۱۵۔	دلالات
۱۶۔	اسلام کا نظریۂ اجتہاد
۱۷۔	مناہج واسالیبِ اجتہاد
۱۸۔	تقنین (اسلامی احکام کی ضابطہ بندی)
۱۹۔	پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل
۲۰۔	فقہ حنفی وفقہ مالکی
۲۱۔	فقہ شافعی وفقہ حنبلی
۲۲۔	فقہ جعفری وفقہ ظاہری
۲۳۔	قواعد کلّیہ (حصہ اوّل)
۲۴۔	قواعد کلّیہ (حصہ دوم)